ڈاکٹر نثار ترابی
صدر شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج آف کامرس، راولپنڈی

جدید اردو غزل میں سائنسی فکر کی پیش کاری

Dr. Nisar Turabi
Head Urdu Department,
Government College of Commerce, Rawalpindi

Presentation of Scientific Approach in Modern Urdu Ghazal

When some prominent ghazal-writer molds an individual attitude of any genus with specific distinction into the form of ghazal, afterwards the same attitude .getting recognition becomes a general tendency, In the history of ghazal such thematic attitudes as they represent formally tendency-making traditions, they ever have been the centre of specific attention of the society. In modern Urdu ghazal, the tradition to include scientific themes emerged as an explicit reference of precious asset of Urdu ghazal after emergence of Pakistan. Nature and contents, in both of forms, newness of the scientific attitude and its immensity, introduced the genus of ghazal to new features of creative possibilities. Those poets who anticipated scientific themes on the basis of their personal experience have been concentrated in the thesis being dealt with.

سائنس نے انسانی ذہن کی اختراعی قوت کو جس نہج پر پہنچا دیا ہے اُس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ سائنس کی ترقی نے ہر ترقی یافتہ علم کو اپنے اثرات کی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ ہر قوم کے فرد کی انفرادی زندگی اور انسانی معاشرت کی مجموعی رفتار متاثر ہو رہی ہے۔ دُنیا کی تہذیبی زندگی سمٹ کر ایک عالمی گاؤں کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ متنوع تہذیبی مذاہب قدرتی طور پر ایک دوسرے سے ردوقبول کے امکانات سمیٹ رہے ہیں۔ برقیاتی اطلاعاتی معلومات نے زبانوں کے باہمی تبادلوں اور ادبی تحقیقات کے مجموعی ابلاغ کے زمان و مکان کی متعین حدود کو ختم کر دیا ہے۔ سائنسی اثرات کے اس بڑھتے ہوئے وفور نے ادب کے شعبے کو براہ راست متاثر کیا ہے۔ آج کا باخبر اور ذہین شاعر بیسویں صدی کی بخشی ہوئی عالمگیر ادبی روشنی سے شعر کی تخلیق کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔ اُس کے تصوراتی اور تخلیقاتی سوتے سائنسی وسیلے سے شعری تخلیقات میں جگہ پانے لگے ہیں۔ سائنس کے ذریعے برقیاتی نظام کی آمد نے غزل کی قدیم اشارتی علامتوں میں معنی کی جو نئی راہیں منور کی ہیں اُس نے ذہن و زبان، خلاو

سمندر اور ذرے و مہتاب سمیت کائنات کی دیگر موجودات کو جداگانہ زاویہ بخشتا ہے۔

سائنس پر ادب کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر حنیف فوق رقم طراز ہیں:

''سائنس نے جو ترقیاں کی ہیں اُن کا خاکہ یا تخیل پہلے ادبی فکر ہی نے فراہم کیا ہے۔ سائنس نے بعد میں اس کے وسائل ڈھونڈے اور پرزہ کاری کی ہے۔ دوسرے یہ کہ ان تمام سائنسی ترقیوں کے انسان کے ظاہر اور باطن پر جو اثرات رونما ہوئے ہیں اُن کی کیفیات بھی ادب ہی کی زبان میں زیادہ موثر طور پر ادا ہوئی ہیں۔ تیسرے یہ کہ انسان کو تسخیرِ فطرت اور ستاروں پر کمند ڈالنے کا حوصلہ اور ولولہ عطا کرنے میں ادب نے بڑا حصہ لیا ہے۔ آخری سب سے اہم بات یہ ہے کہ سائنسی ترقیوں میں جو خامیاں رہ گئیں ہیں اُن سے جو منفی نتیجے نکلے ہیں اُن کی نشاندہی کرتے ہوئے ادب نے مجموعی انسانی بہتری کے تصورات پیش کئے ہیں اور مستقبل کی سمتوں میں راہنمائی کی ہے''۔(۱)

سائنس میں انکشافات یا دریافت کا عمل کسی ٹھوس حقیقت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ سائنسی نقطہ نظر کسی حسی کیفیت کو ماننے کے بجائے منطقی استدلال کے اصولوں پر گامزن رہتا ہے۔ فکر کے وسیلے سے ذہن کا متجسس عمل دونوں صورتوں میں آگے بڑھتا ہے مگر خیال کا یہ سفر سائنس کے جہان میں حقیقت کی تلاش کا سفر کہلاتا ہے جبکہ ادب کی دُنیا میں اسے عام طور پر تصوراتی ماورائی یا جذباتی سفر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ نباتات کا کوئی ماہر کسی پھول کی ماہیت، رنگ، قسم تو بتا سکتا ہے، اُس کی نمو میں بنیادی کردار ادا کرنے والے عناصر کی نشاندہی تو کرسکتا ہے مگر اُسے وہ مقام عطا نہیں کرسکتا جس کا ادراک کر کے ہم اپنے جمالیاتی احساس کو خوشبو دار بنا سکتے ہیں، وہ جذباتی تصویر کشی نہیں کرسکتا جسے فطری طور پر محسوس کر کے ہم، حسی سطح پر اپنے نظریہء جمال کو تسکین دے سکتے ہیں۔ گویا سائنس کی بخشی ہوئی معلومات ہمارے لئے ٹھوس معلوماتی رہنمائی تو فراہم کرسکتی ہے ہمارے جذبات و احساسات کی بیداری میں کوئی کردار ادا نہیں کرسکتی۔ یہ شاعرانہ صداقت کا اعجاز ہے کہ ہم بعض ایسے حقائق پر جلد پہنچ گئے ہیں جن تک رسائی کے لئے ابھی ایک مدت درکار تھی۔ مثلاً اقبال نے انیسویں صدی کے آغاز میں یہ کہہ دیا تھا کہ:

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

انسان نے جب پہلے پہل خلا میں پرواز کی تو اُس کے وہ اندیشے سر اُبھارنے لگے جو جدید سائنسی ترقی کی راہ میں انسانی طرزِ معاشرت کو پیش آسکتے تھے۔ ان اندیشوں کا ذکر اُس دور کی غزل میں عصر کی سچائی کے طور پر محفوظ ہوا جن کی چند مثالیں پیش کرنے کے بعد ہم نئے سائنسی فکر کی پرچھائیوں کو جدید غزل کے تناظر میں دیکھیں گے:

چاند پر پہنچا لیکن خود سے دور رہا
ابھی ادھوری ہے انسان کی انگڑائی

شاید اس دُکھ میں اُجڑتی چلی جاتی ہے زمیں
اب تو انساں کا ستاروں پہ بسیرا ہوگا

(احمد ندیم قاسمی)

بھانپ لیتا ہے عزائم تک ترے
دل ہے میرا یا کوئی رڈار ہے

(شہرت بُخاری)

وہی بدنصیب ذرے ہیں غبار اب زمیں کا
کبھی ٹوٹ کر گرے تھے جو فرازِ آسماں سے

(وحیدہ نسیم)

میں اپنی کاہکشاں سے بچھڑ گیا تشنہ
وہ چاند ہوں کہ جو ٹھہرا نہ اپنے محور پر

(عالم تاب تشنہ)

چاند اُڑا کر سب ہیں مگن پر سوچ میں ہیں کچھ لوگ
یہ دھرتی کا مان بڑا ہے یا دھرتی کے روگ

(جمیل الدین عالی)

مُشتِ غبار چاند کی دھن میں اُڑا تو ہے
ایسا نہ ہو خلا میں بکھرتا دکھائی دے

(حزیں صدیقی)

بشر نے چاند کے پتھر تو پا لیے لیکن
رگوں میں بہتی ہوئی زندگی نہ دیکھ سکا

(شہزاد احمد)

آج کا بیدار مغز شاعر ارضی حقائق کو سچائی کے ساتھ شعری جستجو میں شامل کرتے ہوئے شعری سفر رواں دواں رکھے ہوئے ہے۔ اُس کے شعورِ شعر میں سائنسی طرزِ فکر کارفرما ہے۔ سائنسی موضوعات نے شعری پیکر اختیار کئے تو اس سے آفاقی مناظر کا بیان ایک الگ دبستانِ خیال کا زاویہ لے کر ابھرا۔ غزل گو شعرا نے داخلی اندازِ فکر کو جب سائنسی توجیح کے حوالے سے شعری لباس پہنایا تو خیال کی محسوساتی دُنیا کو حقائق کے ادراک کا ٹھوس نقطہ نظر میسر آ گیا۔ ایسی طرز کی شاعری کو حقیقت پسندانہ شاعری کا نام دیا گیا اور بلاشبہ شعر کو حقیقت پسندانہ زاویہ بخشنے میں ہمارے قومی شعرا مثلاً حالی اور اقبال وغیرہ کی مقصدی شاعری کے

ساتھ ساتھ عالمی لسانی سطح پر اُن جدید فکری ادبی تحریکوں کا فیضان بھی شامل ہے جو ۱۹۴۷ء کے بعد شعری ادب کو متاثر کرتی رہی۔ سائنسی طرزِ فکر کے اس رویے نے جب رجحان کی شکل اختیار کر لی تو کراچی میں ایک ایسا دبستانِ شاعری وجود میں آ گیا جس نے سائنسی ادب کے نام پر باقاعدہ ایک الگ اسکول قائم کر لیا۔ ادب کے اساس پر بات کرتے ہوئے ڈاکٹر جمیل جالبی کہتے ہیں:

> ''ادب کی اساس تخیل ہے جس میں احساس و جذبہ، اثر و تاثیر کے رنگ بکھیرتا ہے۔ سائنس کی بنیاد ''تجربہ'' ہے ''تخیل سے خیال'' وجود میں آتا ہے جس پر سائنس اپنے تجربے کی بنیاد اور دریافت کی منزل سر کرتی ہے۔ اگر خیال نہ ہو تو تجربہ بھی عمل کی روشنی نہ دیکھے'' (۲)

سائنسی شعور کو ادب میں شامل کرنے کی غرض سے کراچی میں باقاعدہ بزمِ سائنس و ادب کا قیام عمل میں لایا گیا جس کا مقصد ادب کو ایسے تصورات سے متعارف کرانا ہے جو اکیسویں صدی میں سامنے آئیں گے۔

سائنس اور شعری ادب کے باہمی تعلق کے مختلف پہلوؤں کو زیرِ بحث لانے کے بعد اب ہم غزل کے عصری رویوں میں سائنسی فکر کے شعری رجحان کی طرف آتے ہیں۔

اس ضمن میں جو نام سب سے پہلے زیرِ بحث آنا چاہئے وہ ''رقصِ جوہر'' اور ''نغمہء جوہر'' کے خالق، ولی ہاشمی (۱۹۱۹ء۔ ۱۹۹۷ء) کا ہے۔ ''رقصِ جوہر'' اور ''نغمہء جوہر'' میں شامل شعروں کو حوالہ بنانے سے قبل غزل کو اُس کے مزاج کے تناظر میں دیکھتے ہوئے مزید کچھ وضاحت ضروری ہے اور یہ کہ غزل کی صنف اپنے مزاج اور فنی بنت کی مناسبت سے چونکہ نہایت لطیف اور کومل اظہار کی علامت خیال کی جاتی ہے اور سائنس اور سائنسی خیالات عموماً خشک اور بے تجرباتی امکانات کا احاطہ کرتے ہیں لہذا عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ سائنسی فکر کو جمالیاتی اعتبار سے شعورانہ احساس میں سمویا نہیں جا سکتا اور جہاں ایسا کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہاں تخلیقی سطح پر عجیب صورتحال کا نقشہ اُبھر آیا ہے۔

ایسے میں یہ کہا جاتا ہے کہ اس طرح کی تخلیقی تجربے کو چونکہ فطری ردِعمل ایک غیر مانوس فضا کے حصار میں لے آتا ہے لہذا یہ عجیب صورتحال مختلف طرزِ احساس کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔ پچاس کی دہائی سے قبل کے غزلیہ سرمائے میں اس نوع کا طرزِ احساس اگرچہ اپنی جھلک دکھاتا ہے مگر غزل کے موجودہ سفر تک آتے آتے سائنسی خیالات کو غزل کے رنگ میں پیش کرنے کا رویہ باقاعدہ ایک رجحان کی شکل میں ظہور ہوا ہے۔ متعدد شعرا کے ہاں اس کے نمونے دیکھنے سے پہلے ہم شاعر ولی ہاشمی کے کلام کو بنیاد بنا کر اپنے موضوع کو آگے بڑھاتے ہیں۔

ولی ہاشمی کے خیالات غزل کے پیکر میں یکجا ہو کر منظرِ عام پر آئے تو ان کے مطالعے سے یہ کھلا کہ شعر کو سائنٹیفک بنیادوں پر پرکھنے کا یہ رویہ ماقبل غزلیہ تاریخ میں کہیں کہیں انفرادی طرزِ احساس کے ساتھ اجاگر ہوتا رہا ہے مگر باقاعدہ شعری رجحان بن کر انہیں کے ہاں نمایاں ہوا ہے۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی کے بعد جب سائنسی طرزِ فکر کا اشتراک غزل کے فنی پیکر کا حصہ بنا تو یہ رویہ رجحان کی جانب بڑھا اور اس کی پہلی کامیاب سمت کا تعین کرتے ہوئے ہمیں ولی ہاشمی کے شاعرانہ اسلوب پر ہی رکنا پڑتا ہے

کہ ان کے ہاں ہر دو مجموعوں میں زیادہ تر غزلیں اسی مرکزی موضوع کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ''نغمہ جوہر'' میں سائنسی طرزِ فکر کو غزل کی روایت میں رجحاناتی رخ عطا کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خود شاعر نے کہا:

ہے جوہر و عنصر کا ولی ذکر غزل میں
تاریخِ تغزل کا نیا باب کھلا ہے

ان غزلیات میں غزل کی روایت میں شامل مرکزی خیالات مثلاً ہجر و وصال، رنج و غم، بہار و خزاں، کیف و مستی، ہست و بود، تصور، زمان و مکاں، موت و حیات، ارض و سما اور نجم و قمر کی حقیقت۔ غرض کہ بیسیوں موضوعات کو سمویا گیا ہے مگر شاعرانہ توجیح میں سائنسی طرزِ فکر کی کارفرمائی ہی ان غزلوں کی بنیاد بنی ہے۔ سائنسی صداقت گو ادبی صداقت سے کُلی طور پر مختلف ہوتی ہے تاہم اسے غزل کے مزاج کا کمال کہیے کہ شاعر کی تخلیقی سچائی کا ثبوت کہ فکری سطح پر احساس کی جُداگانہ صورتوں کو اس خوش اسلوبی سے باہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ غزل اپنے مزاجی تقاضوں اور اسلوبیاتی حُسن کو برقرار رکھتے ہوئے ہم سے داد طلب کرتی ہے مثلاً بہار و خزاں۔ موسم کے دو روپ ہیں اور قدیم عہد سے غزل گو شعرا کی فکر کا محور رہے ہیں۔ ''رقصِ جوہر'' میں بہار و خزاں کا روپ ملاحظہ ہو۔

مدارِ ارض پر صناعِ فطرت نے قرینے سے
کہیں فصلِ بہاراں اور کہیں فصلِ خزاں رکھ دی

انسان نے جب پہلی بار چاند پر قدم رکھا تو اس واقعے کو حوالہ بناتے ہوئے کہا گیا:

لے جا کے اپنی زیست کا سامان اپنے ساتھ
انسان چند روز خلا میں رہا تو ہے

اسی طرح جاپان کے شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر گرائے گئے ایٹم بموں سے تباہی اور ہلاکت کے جو تاریخ ساز المیے رونما ہوئے اُس سے ایک عالم آگاہ ہے۔ ایٹم میں موجود ذرے کی اساسی حیثیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے شاعر نے کہا:

کیا خبر تھی ایک ذرّہ حشر کردے گا بپا
باز آئے انکشافِ جوہرِ لبسل سے ہم

اسی طرح زندگی کے حرکی تصور کا سائنسی شاعرانہ رنگ دیکھئے:

مانندِ دستِ آلہ ساعت ہے زندگی
پیہم رواں ہے اور بظاہر رواں نہیں

یعنی وقت دبے پاؤں اپنی طے شدہ اور مخصوص رفتار سے گذرتا ہے اور ہم ہیں کہ ہمیں خبر بھی نہیں ہونے پاتی۔ گویا عصر اپنے رویوں اور رجحانات سے غزل ہی کو متاثر نہیں کر رہا اس عالمِ رنگ و بو میں جو شے ہے بہر طور عصر ہی کی غلام ہے۔

ہزار گردشیں مل کر بنا ہے عالمِ امکاں
ابھی کرتے رہیں گے گردشِ کون و مکاں برسوں
پھیلی ہوئی ہیں کاہکشائیں خلا میں یوں
اوجِ فلک پہ جیسے ستاروں کا ریگ زار
ابد آثار خلا ہم کو نظر آئے گا
ہم نکل جائیں اگر شمس و قمر سے آگے

سائنسی مظاہر و معاملات کو تخیل کی رو میں شامل کر کے اُسے شعری فکر کا محور بنانا ایک خاص طرزِ فکر کی عکاسی کرتا ہے اور یہ طرزِ فکر اس حقیقت کی ترجمان ہے کہ غزل صرف گُل و بُلبل کے روایتی تذکرے کی بات نہیں کرتی، آگے بڑھ کر زندگی اور کائنات کے ان ٹھوس حقائق کی گرہ کشائی بھی کرتی ہے جو کرہء ارض پر پھیل کر انسانی ذہن کو ازل سے دعوتِ فکر دے رہے ہیں ۔اقبال اور چکبست نے جب یہ کہا تھا کہ:

ہیں جذبِ باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں
(اقبال)

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشاں ہونا
(چکبست)

تو غزل میں سائنسی تخیل کے عناصر کی موجودگی نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ غزل کا شعر نظامِ شمسی کی کائنات پر غور کرنے کے بعد انسانی ہست و بود پر مشتمل مابعد الطبیاتی مسائل کی نشاندہی، ایک شاعر کے دل سے محسوس کرنے کے ساتھ ساتھ ایک سائنسدان کی مشاہداتی آنکھ سے بھی کر سکتا ہے۔ جب تخلیقی اعتبار سے شعری تجربوں کو سائنسی نقطہء نظر سے بیان کرنے کا یہ رویہ جدید غزل گوؤں تک آتے آتے ایک باقاعدہ رجحان کی شکل اختیار کرتا ہے تو ہم ایسے بہت سے اشعار کی تفہیم کی مسرت حاصل کرتے ہیں جو غزل کے پیکر میں زندگی اور کائنات سے متعلق متعدد ٹھوس حقائق اور دریافت کے عمل کو فکری میراث بناتے ہیں۔ سحر انصاری (۱۹۴۱ء تا حال، نمود) اور ڈاکٹر پیرزادہ قاسم (۱۹۴۳ء تا حال، شعلے پہ زباں، تند ہوا کے جشن میں) جو اُردو غزل کے ممتاز شعرا ہیں ان کے ہاں جہاں تغزل کے عمدہ نمونے ملتے ہیں وہاں سائنسی فکر کے حامل شاعرانہ خیالات کی عکاسی بھی اپنا جہان معنی نمایاں کرتی ہے۔

قمر سے دیکھ طلوعِ زمیں کا نظارہ
نگاہ پر تو بہت قرض آسماں کے ہیں
(سحر انصاری)

جبکہ ڈاکٹر پیرزادہ قاسم کے شعری مجموعے ''شعلے پہ زباں'' کے صفحہ ۱۱۵ پر درج غزل انسان کے پہلی بار چاند پر قدم رکھنے کے تناظر میں لکھی گئی جس کے آخر میں شاعر نے ۲۰ر جولائی ۱۹۶۹ء کی تاریخ بھی درج کی ہے۔ پیرزادہ قاسم جدید غزل کے ایک اہم شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ چونکہ پیشے کے اعتبار سے ایک سائنسدان بھی ہیں لہٰذا اُن کے شعورِ شعر میں سائنسی سوچ کے رویے سے جھانکتی ہوئی چاند کی علامت متعدد بار اسی طرزِ فکر کی نمائندہ بنی ہے:

ایک لمحہ قربت کا طلب گار رہا چاند
انساں کے لیے کب سے تھا آغوش کشا چاند

برطانیہ میں مقیم شاعر **اکبر حیدرآبادی** (۱۹۲۵ء تا حال، ''خطِ راہ گزر''، ''نمو کی آگ'' اور ''آوازوں کا شہر'') کی شاعری موضوعاتی سطح پر زیادہ تر اُنہی ذہنی رویوں کو اپنی شاعرانہ سوچ کا ترجمان بنایا ہے جو دیارِ غیر میں رہنے والے کسی پردیسی شاعر کے فطری ذہنی رویے قرار دیے جاسکتے ہیں مگر ''آوازوں کا شہر'' شاعر کا ایسا مجموعہ غزل ہے جس میں سائنسی طرزِ فکر کے حامل شعری رویہ باقاعدہ ایک رجحان کی شکل میں ڈھل گیا ہے۔ یہاں کلامِ اکبر حیدرآبادی سے سائنسی فکر کے حامل شعروں کے کچھ نمونے درج کیے جاتے ہیں:

نجانے کس شجرِ نور کا ثمر ہوں میں
مرے ستارے کو کس کہکشاں سے نسبت ہے
یہ برگ و بار سے خالی شجر، یہ ویرانے
انہیں تجاہلِ ابرِ رواں سے نسبت ہے
جدھر اک دشتِ بیکراں پھیلا ہوا ہے
کسے معلوم کتنی اور دُنیائیں اُدھر ہیں

چند دیگر شعراء اور سائنسی غزل:

سائنسی مظاہر اور اس کی صداقتیں اور اُس کے عناصر کو شعری اساس فراہم کرنے والے نمائندہ شاعر ولی ہاشمی کے تذکرے کے بعد اب ہم چند ایسے شعرا کے کلام سے مزید کچھ ایسے شعری نمونے درج کرتے ہیں جو شعری وسیلے سے سائنسی تخیلات کے حامل فکری رویوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ غزل کے ان شعروں میں جدید سائنسی معلومات سے آگاہی ملتی ہے جو یہ باور کرانے کے لئے کافی ہیں کہ آج کا شاعر سائنسی اعتبار سے اپنے تخلیقی تجربوں کو کس انداز سے فنی سانچے میں ڈھال رہا ہے اگرچہ غالب اور اقبال سے لے کر قیامِ پاکستان تک متعدد ایسے شعرا ملتے ہیں جن کے کلام سے سیکڑوں مثالیں دی جاسکتی ہیں مگر موضوع کی گنجائش کے پیشِ نظر ہم یہاں مختصراً سائنسی فکر کی حامل چند مزید شعری نمونوں پر ہی اکتفا کریں گے:

سورج کے گرد گھوم رہا ہوں زمیں کے ساتھ
اس گردشِ مدام سے مجھ کو امان دے

(حمایت علی شاعر)

اگر کرنا ہے تسخیر خلا کر
مگر پہلے زمیں کا حق ادا کر
(مشتاق شبنم)

بارشوں میں بجلیاں چلتی ہوں ننگے پاؤں جب
جلتے بجھتے قمقمے سے دور ہو جایا کرو
(سہیل غازی پوری)

کبھی شورِ قیامت گوشِ انساں تک بھی پہنچے گا
کوئی سیّارہ بدلے گا مدار آہستہ آہستہ
(اسلم انصاری)

اب تو سورج سے بھی نکلیں گی شعاعیں ایسی
جن سے ملبوس تو کیا جسم بھی جل جائیں گے
(مرتضٰی برلاس)

دشمن اور ساتھ رہے جان کی طرح
مجھ میں اتر گیا ہے وہ سرطان کی طرح
(پروین شاکر)

کوئی بھی نہیں گردشِ ایام سے آزاد
ہم لوگ ہیں سب ایک ستارے کے اثر میں
(صغیر ملال)

جاننا یہ تھا کہ ہستی کی حقیقت کیا ہے
اب جو جانا تو میں نے اُسے جوہر لکھا
(غفار شاد)

تھا سفر در پیش جانے کتنے نوری سال کا
کیسے کیسے فاصلے تھے تیرے میرے درمیاں
(ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری)

یہ اُداس تاریکی کائنات جیسی ہے
کہکشاں سے آگے بھی زمیں کا سایہ ہے
(اظہر غوری)

عجب نہیں کہ خلاؤں میں ہو کوئی مخلوق
نجوم و شمس و قمر پر حیات ممکن ہے
(عبید بازغ امر)

☆☆☆

حواشی

(۱) حنیف فوق (ڈاکٹر) ''بیسویں صدیں میں ادب، تاریخ، سائنس اور ٹیکنالوجی'' مشمولہ ''آئندہ'' کراچی (خصوصی بیسویں صدی نمبر شمارہ ۱۹۔۲۰ صفحہ ۱۹)

(۲) جمیل جالبی (ڈاکٹر) ''پیش لفظ'' مشمولہ ''ادب اور سائنس'' مرتبہ جمال نقوی، بزمِ تخلیقِ ادب کراچی ۱۹۹۶ء صفحہ ۹۔